مر جاواں مُک جاواں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نبیلہ ابر راجہ

نبیلہ ابر راجہ

مر جاؤں یا مٹ جاؤں

کرسی برآمدے میں بچھائے حوریہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ کمرے کے اندر سے میوزک کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ اسے فاخر کی شرارتی و شوخ سی آواز بڑی پسند تھی اور آج موسم کی رنگینی بھی تو عروج تھی۔

لنگھے کنیج رات میری
توں نہ پچھی بات میری

اس کے لب مدھم سروں میں گنگنا رہے تھے۔ دل میں کومل کومل سے جذبے بے اختیار انگڑائی لے کر بیدار ہو رہے تھے۔

سیما بھابھی باورچی خانے میں پکوڑے تل رہی تھیں۔ رانی پاس بیٹھی باتیں بگھارتے ہوئے پکوڑوں کے ساتھ پورا انصاف کر رہی تھی۔ حوریہ کی نگاہیں سیاہ گیٹ کے ساتھ نئی پودوں کی کیاری اور آئیوی کی بیل کے آس پاس بھٹک رہی تھیں۔ اور اس کا حساس شاعرانہ ذہن معمول سے ہٹ کر سوچ رہا تھا۔

وہ ظہر کی نماز پڑھ کر واپس آیا تو بھابھی اور رانی کی آوازیں باورچی خانے سے آ رہی تھیں۔ جبکہ حوریہ برآمدے میں بیٹھی کسی اور ہی جہان میں پہنچی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ حسب عادت تپ گیا۔ پہلے اندر جا کر ٹیپ بند کیا جو سوئچ بورڈ کے ساتھ منسلک تھا اور پھر اس کے سر پہ جا پہنچا۔

"تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے؟"

وہ نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی تو وہ اور بھی بھنا گیا۔

"دو ماہ سے زائد ہو گئے ہیں تمہیں اس گھر میں آئے ہوئے، پر تم ابھی تک مہمان بنی ہوئی ہو۔ اپنے علاوہ تمہیں کسی کی فکر نہیں ہے۔ یہ شاہانہ انداز چھوڑو اور باورچی خانے میں جا کر بھابھی کا ہاتھ بٹاؤ۔"

سلیمان جلتے لفظوں کی گولہ باری کر کے چلا گیا تو حوریہ پھر سے سوچوں میں ڈوب گئی۔ سلیمان نے شادی کے بعد سے لے کر آج تک اسے طنزیہ انداز میں ہی مخاطب کیا تھا۔ حوریہ کے ساتھ بات کرتے ہوئے خود بخود ہی اس کے رویے میں درشتی آ جاتی۔ وہ نرمی اور خوش مزاجی یکسر غائب ہو جاتی جو اس کی شخصیت کا نمایاں حصہ تھی۔

حوریہ نے اس کے اندر جانے کے بعد ایک نظر اپنے زیب تن کیے کپڑوں پہ ڈالی۔ سیاہ اور کاسنی رنگ کے امتزاج کے سوٹ کی سلائی بڑی مہارت سے کی گئی تھی۔ جو اس کے متناسب اور چھریرے بدن پہ خوب سج رہا تھا۔ صبح سے وہ کتنی بار سلیمان کے سامنے آئی تھی مگر اس کی نگاہوں میں کوئی خاص جذبہ نہیں ابھرا تھا۔ اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ سلیمان اس کے ساتھ موسم کو انجوائے کرے اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرے۔ اس کے ساتھ پیار بھری لڑائی کرے روٹھے اور پھر مان جائے مگر ہائے حسرت۔

وہ شاعرانہ مزاج کی حامل، خوب صورت موسم کی دیوانی۔ شادی سے پہلے بابا کے گھر جب زندگی کی خوب صورتیوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ سلیمان کو دیکھتے ہی دل ہار بیٹھے گی۔

گزشتہ رات سے ہلکی بارش کا آغاز ہوا تھا اور اب اس میں تیزی آ گئی تھی۔ اس کی شادی کے بعد یہ پہلی بارش تھی۔ اور اب تو اس کی سحر انگیزی میں اور بھی اضافہ ہو چکا تھا کیونکہ سلیمان کل صبح ہی واپس آیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب وہ گیارہ بجے سو کر اٹھی

توسلیمان بڑی اماں کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ وہ روزانہ ناشتے سے فارغ ہو کر اماں کے پاس بیٹھ کر ان سے گپیں لگاتی اور ان کی جوانی کے قصے سنتی تھی۔ بڑی اماں اسے بہت پسند کرتی تھیں۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ معمول کے مطابق بڑی اماں کی طرف آئی تو دروازے پہ ہی اس کے قدم جم سے گئے۔ اندر سلیمان بڑی اماں کی گود میں سر رکھے لیٹا لاڈ اٹھوا رہا تھا۔ اس کے اندر خوشی اور سرمستی کی لہر اٹھی تھی۔

”السلام علیکم!“ اس نے اندر آ کر زور سے سلام کیا۔ خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ سلیمان شادی کے بعد پہلی بار آیا تھا۔ اسے گئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے مگر اسے یہ دن صدیوں پر محیط لگ رہے تھے۔

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چہرے پہ درشتی آ گئی۔ عام سے انداز میں اس کے سلام کا جواب دے کر وہ دوبارہ اماں سے باتیں کرنے لگا۔

سیما بھابھی ' رانی کے ساتھ مل کر سلیمان کی پسند کے کھانے بنا رہی تھیں۔ سیما بھابھی روزانہ صبح چھ بجے بیدار ہو کر نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ بناتیں۔ بعد میں رانی بھی اٹھ کر ان کا ہاتھ بٹاتی۔ کام والی آ کر صفائی ستھرائی کرتی۔ بڑی اماں سلیمان کی دادی تھیں۔ مشفق مہربان اور ہمدرد انہوں نے حوریہ اور رانی میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا تھا۔ تب ہی تو حوریہ انہیں پسند کرتی تھی۔

وہ واپس اپنے بیڈ روم میں آئی پنک کلر کا سوٹ پہنا۔ ہونٹوں پہ لپ اسٹک لگائی۔ آنکھیں اس کی تھیں ہی خوب صورت 'بقول اس کی دوست زارا کے ”تم ایک بار جسے غور سے دیکھ لو وہ ان آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے۔“ اسے اپنی آنکھوں کی خوب صورتی پہ ناز تھا مگر اب اس کا مان و غرور کچھ کچھ ترخنے لگا تھا۔

سلیمان جانے کب کا آیا ہوا تھا اور اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

وہ کپڑے بدل کر دوبارہ باورچی خانے کی طرف آئی تو سیما بھابھی نے اسے شرارتی نظروں سے دیکھا۔ وہ جھینپ سی گئی اور خوامخواہ ہی ان کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

”حوریہ باہر آسمان پہ بادل آ رہے ہیں۔“

وہ اسے چھیڑ رہی تھیں انہیں پتہ تھا وہ بارش کی دیوانی ہے۔

”لگتا ہے آج کھل کر برسیں گے۔“ وہ اسے چڑا رہی تھیں۔

کام والی چھوٹی لڑکی عذرا سلیمان کا بیگ اٹھائے اندر جا رہی تھی۔ حوریہ نے بھابھی کی چھیڑ چھاڑ کا جواب دیے بغیر سیدھے عذرا کی طرف دوڑ لگائی اور اس سے بیگ لے لیا۔ عذرا حیرت سے وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ حوریہ اندر گئی 'بیگ کھولا' سلیمان کے کپڑے اور روزمرہ استعمال کی چیزیں نکالیں۔

وہ ابھی تک بڑی اماں کے پاس تھا۔ اسے غصہ آنے لگا۔

دوپہر کا کھانا کھا کر وہ چھوٹے چچا کی طرف چلا گیا۔ رات گئے واپس آیا تو حوریہ نیند سے لڑتے لڑتے سو چکی تھی۔

رات کسی پہر اس کی آنکھ کن من برستی بارش کی آواز سے کھلی۔ سلیمان بے خبر سو رہا تھا۔ رات جس ہلکی ہلکی بارش کا آغاز ہوا صبح اس میں تیزی آ گئی تھی۔ سلیمان معمول کے مطابق فجر کی نماز پڑھ کر سب کے ساتھ ناشتہ کیا۔ حوریہ بے خبر سو رہی تھی۔ وہ ساڑھے نو بجے کے قریب اٹھی تو باہر بادلوں کی وجہ سے اندھیرے کا سماں تھا۔ موسم میں خنکی بڑھ گئی تھی۔

وہ باہر آئی تو سلیمان کمرہ نشین ہو گیا۔ اس نے تین چار بار بیڈ روم کا چکر لگایا لیکن وہ کروٹ بدلے آنکھیں موندے پڑا رہا۔ تھک ہار کر وہ اکیلی ہی کن من برستی بارش سے لطف اندوز ہونے لگی۔

”پہلی بارش ہے یہ تیرے میرے پیار کی
پہلی خوشی ہے تو میری زندگی کی“

اس کے لب گنگنا رہے تھے۔ اپنا آپ بھلا دینے کو جی چاہ رہا تھا۔

رانی 'سیما بھابھی اور سلیمان تینوں آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ چٹنی پیسنے کے بعد رانی نے چائے کا پانی رکھا۔ پکوڑے پہلے ہی بن چکے تھے۔ حوریہ بھی ان کی طرف چلی آئی۔

”رات سے خوب بارش ہو رہی ہے۔“ بھابھی نے اس کا پسندیدہ موضوع چھیڑا تو وہ غائب دماغی کے عالم میں سر ہلا کر رہ گئی۔ سیاہ اور کاسنی امتزاج والی فٹنگ والی شرٹ میں اس کی اجلی رنگت اور بھی نکھر آئی تھی۔ نازک سی جوتی میں مقید اس کے پاؤں اضطراری انداز میں ہل رہے تھے۔

”اونہہ! مجھے ذرا پسند نہیں ہے بارش 'خوامخواہ کی گندگی اور کیچڑ۔ بس کمرے تک محدود ہو جاؤ۔“

رانی نے ستواں ناک بڑے اسٹائل سے چڑھائی تھی۔ حوریہ کو ذرا اچھا نہیں لگا۔ بھابھی نے چٹنی اور پکوڑے اس کے سامنے رکھے مگر وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔ سلیمان کو اس کی یہ حرکت سراسر بدتمیزی لگی۔

”بھابھی! بڑھ بڑھ کر اس کی خدمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے 'مہمان نہیں ہے وہ اس گھر میں۔“ وہ تلخ ہو رہا تھا۔ البتہ رانی لاتعلقی سے پکوڑے کھاتی رہی۔

سرشام ہی حوریہ کو نیند آنے لگی۔ دل کو افسردگی نے جکڑ لیا تھا۔ بارش کے ساتھ ہی بجلی جا چکی تھی۔ رانی کے اضافی کام بڑھ گئے تھے۔ عذرا آئی نہیں تھی جبکہ زینت کی طبیعت خراب تھی۔

حوریہ سر منہ لپیٹے بستر میں گھسی ہوئی تھی۔ سلیمان نے کمبل کھینچا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ ملگجے سے اندھیرے میں وہ سلیمان کو پہچان سکتی تھی جو غضب ناک تیور لیے اسے گھور رہا تھا۔

”یہ سونے کا وقت ہے؟“ وہ کڑے لہجے میں بولا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بارش میں بھیگتی رہی ہوں۔“ وہ چاہنے کے باوجود کوئی سخت جواب نہ دے سکی تھی۔

”تم کوئی بچی نہیں ہو جو اس طرح کے ایڈونچر کرتی پھرو۔ بھابھی اور رانی صبح سے مصروف ہیں۔ عذرا چلی گئی ہے زینت کی طبیعت خراب ہے۔ تمہیں اپنے مشاغل سے ہی فرصت نہیں ہے تو کچھ نظر آئے۔“

حوریہ کمبل میں دوبارہ ملفوف ہو چکی تھی۔ سلیمان چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔

باہر بادل گرج رہے تھے۔ وہ بظاہر آنکھیں بند کیے اسی کی طرف متوجہ تھی۔ وہ باہر نکلا تو حوریہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ جہاں آسمان پہ کالے بادل ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے۔ ان کی شرارتیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

رانی نہ جانے کب آ کر اس کے کمرے میں موم بتی جلا کر رکھ گئی تھی۔ مگر کھلی ہوئی کھڑکی سے آتی خنک ہوا موم بتی بجھا چکی تھی۔

سلیمان کافی دیر بعد سونے کے لیے آیا تو حوریہ کی لاپروائی پہ اسے ایک بار پھر تاؤ آ گیا۔ کھلی کھڑکی کے راستے سرد ہوا پورے کمرے میں ناچتی پھر رہی تھی اور وہ سو رہی تھی۔ سارا ماحول بے حد ٹھنڈا لگ رہا تھا۔

سلیمان نے کھڑکی بند کی تو سارا منظر تاریکی میں ڈوب گیا۔ اس نے اپنا سگریٹ لائٹر نکال کر موم بتی دوبارہ جلائی۔

وہ کپڑے بدل کر نیم دراز ہوا تو حوریہ کے محو خواب وجود میں خفیف سی حرکت ہوئی۔

سلیمان کی پشت اس کے سامنے تھی۔ جہاں کندھے سے ذرا نیچے ہک کی شکل میں کسی پرانی چوٹ کا نشان ہلکا سا نظر آ رہا تھا۔ حوریہ کا کئی بار کتنی شدت سے جی چاہا تھا کہ اسے اس نشان کے بارے میں پوچھے پھر اسے ہاتھ سے چھو کر دیکھے۔

وہ آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگی پر بارش اور ماحول کی جادوگری اس کوشش کو ناکام کرنے لگی۔ ان دونوں سے بھی بڑا جادوگر اس سے ذرا سا ہی تو دور تھا۔ اتنا کہ وہ اسے ہاتھ بڑھا کر چھو سکتی

تھی۔

وہ دل و جاں ہار کر ہی تو یہاں تک آئی تھی۔

آگ لگی تو راکھ ہوئے
بن جسی بنجارا میں
کیسی انوکھی جنگ ہوئی
جیتا میں اور ہارا میں
اس کی باتیں پتھری
اور شیشہ بے چارا میں
سیلے بھیگی پلکیں میری
بھیگ گیا پھر سارا میں

اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ جانے اس کے جی میں کیا سمائی کہ اٹھ کر دونوں کھڑکیوں کے پٹ وا کر دیے۔ منچلی ہوا چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔

سلیمان جاگ رہا تھا۔ موم بتی پھر بجھ گئی۔

"نہیں تکلیف کیا ہے؟" اس کا لہجہ آگ لگا دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ بے آواز آنسو چہرہ بھگوتے رہے۔ پھر رات کے جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح بڑی نکھری نکھری سی تھی۔

سلیمان فجر کی نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ سو گیا تھا کیونکہ رات دیر سے سونے کی وجہ سے اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ حوریہ خلاف توقع جلدی بیدار ہو گئی۔ وال کلاک سے ہوتے ہوتے اس کی نگاہ سوئے ہوئے سلیمان پہ ٹک گئی۔ سوتے ہوئے بھی اس کے مغرور لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ گندمی رنگت مضبوط ہاتھ پاؤں فوجی اسٹائل میں کٹے بال پرکشش نقوش اور مردانہ کرختگی جو اس کے ہر ہر انداز سے جھلکتی تھی۔

"تم فوجی لوگ بڑے سخت ہوتے ہیں۔" حوریہ کو اس کی کہی بات یاد آئی تو تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ بکھر گئی۔

"اس میں کیا شک ہے۔ تم واقعی سخت ہو۔ تمہارا دل سخت ہے۔ تمہارے جذبات پتھر ہیں۔"

اس نے سوچا۔ سلیمان نے سوتے ہوئے کروٹ لی تو حوریہ نے اس کی طرف سے نگاہ ہٹالی۔ اس نے اپنا دوپٹہ ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر بیڈ پہ ہاتھ مارا۔ جو آدھا تکیے کے نیچے اور آدھا سلیمان کے کندھے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے بمشکل دوپٹہ آدھا ہی کھینچا تھا کہ سلیمان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خمار آلود لہجے میں بولا

"سونے کیوں نہیں دیتی ہو۔" لہجہ حیرت انگیز طور پہ نرم تھا۔ وہ خاموشی سے چپل پہن کر باہر آ گئی۔ بارش تھمنے اور دھوپ نکلنے کے بعد ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی اسے کپکپی سی آ گئی۔

سیما بھابھی باورچی خانے میں تھیں۔ زینت اور عذرا صفائی کر رہی تھیں۔ رانی اندر کسی کمرے میں تھی۔ اس کے سسر نیاز احمد بیٹھک میں کسی دوست کے ساتھ مصروف تھے جو کافی عرصہ بعد ان کی حویلی میں ان سے ملنے آئے تھے۔

وہ چائے کے ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھی۔ سیما بھابھی پیڑھی پہ بیٹھی سبزی کاٹنے کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر کی باتیں بھی کر رہی تھیں۔ سلیمان اچانک ہی اندر آیا تھا۔

"بھابھی ناشتہ!" وہ کرسی اس کے مقابل رکھ کر بیٹھ چکا تھا۔ نہایا دھویا خوشبو میں بسا۔ چائے جیسے حوریہ کے حلق میں پھنسنے لگی۔

"تم بھی بھابھی کے ساتھ کام کروایا کرو۔"

"ارے چھوڑو۔ ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ ساری عمر کام کرنا ہے۔ عذرا اور زینت بھی تو ہوتی ہیں۔ میں کون سا اکیلی کرتی ہوں پھر رانی بھی ہے۔" وہ بڑی سہولت سے بولی تھیں پر نہ جانے کیوں حوریہ کو سیما بھابھی کے لہجے میں نمی سی محسوس ہوئی تھی۔

"اور تم کیوں کام کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ خوامخواہ اسے ڈانٹتے ہو۔ بیٹ مین ہے تمہارے پاس پھر کیا مشکل ہے؟" بھابھی نے اس کی طرفداری کی تو سلیمان ہنسنے لگا۔

"میری والدہ مرحومہ کہتی تھیں جو عورت گھر کے کام کاج میں حصہ نہیں لیتی۔ اس کے گھر اور رزق میں برکت نہیں ہوتی اور پھر جو عورت شوہر کی پسند و ناپسند کا خیال نہ رکھے' وہ بڑی جلدی دل سے اتر جاتی ہے۔"

آخری جملہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سلیمان نے ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا۔

حوریہ کو چائے پینا مشکل لگنے لگا آدھا کپ جوں کا توں چھوڑ کر وہ اٹھ گئی۔

بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ اس کی شادی کو دو ماہ ہوئے ہیں' فقط دو ماہ۔ اور سلیمان کا رویہ پرجوش شوہر کے بجائے سخت دل ناصح کا تھا بلکہ ناصح کے بجائے اسے کٹھور دل دشمن کہنا زیادہ بہتر تھا۔

☆ ☆ ☆

یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔ صرف ڈیڑھ سال پہلے وہ بے فکر' شوخ و شرارتی سی حوریہ احسان تھی۔ احسان احمد نوکری کے سلسلے میں شہر منتقل ہو گئے تھے۔ ان سب بہن بھائیوں نے شہر کے کھلے ڈلے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ دونوں بھائیوں کی شادیاں بھی خاندان سے باہر طے پائی تھیں۔ ان کے اکثر رشتہ دار ابھی تک اپنے آبائی گاؤں میں ہی مقیم تھے۔ شہر میں رہنے بسنے کی وجہ سے وہ باقی رشتہ داروں سے قدرے کٹ سے گئے تھے۔ اب شادی بیاہ یا فوتگی پہ ہی ملنا ہوتا تھا۔

سلیمان' حوریہ کی تایا زاد کا رشتہ دار تھا۔ گل کی خالہ کا بیٹا۔

حوریہ کی گل سے دوستی تھی اس لیے جب اس کی شادی کا پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئی اور شادی سے ہفتہ بھر پہلے ہی تایا کے حویلی نما گھر پہنچ گئی۔ کالج سے فراغت تھی سو اس کے تو مزے آئے ہوئے تھے۔ فطری طور پہ وہ لاپروا اور من موجی قسم کی لڑکی تھی۔ ایک ایک پل سے خوشی کشید کرنے والی۔ گل کی شادی اپنے خالہ زاد سے ہو رہی تھی۔ اس کی بات پانچ سال سے چھوٹی خالہ کے بیٹے اسلم سے طے تھی۔ حوریہ صرف ایک بار اسلم سے ملی تھی۔ دو سال پہلے جب وہ چھوٹے چچا کی بیٹی کی شادی پہ آئی تھی تو اسے گل کے منگیتر کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا اسلم کو دیکھ کر اسے دھچکا سا لگا۔ کہاں گل اتنی خوب صورت' نازک سی اور کہاں اسلم اس سے پندرہ سال بڑا واجبی سی شکل و صورت کا۔ اس نے مما اور بھابیوں کے سامنے برملا اسلم بھائی کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

بڑے بھائی حمزہ اسے گاؤں چھوڑ گئے تھے۔ حویلی میں رونقیں اتری ہوئی تھیں۔ وہ جی بھر کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔

آج مہندی لے کر اسلم بھائی کی طرف جانا تھا۔ اس نے تو بطور خاص مہندی کا جوڑا سلوایا تھا۔ پیلے اور سبز کنٹراسٹ کا سوٹ اس پہ خوب اٹھ رہا تھا۔ بے فکرا رنگ روپ بہت سے منچلوں کا دل دھڑکا رہا تھا۔

رضیہ جمیل کے شاہکار افسانے
بدریا برس گئی اس پار
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت گیٹ اپ
بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
قیمت : 150/ روپے
اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں
اک گھروندہ برف کا : 300/ روپے
ساگر دریا بادل بوند : 300/ روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار۔ کراچی

بھابھی اور بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ اس کی خوشی دوچند ہو گئی تھی کیونکہ چھوٹی بھابھی سے اس کی خوب بنتی تھی۔ وسیع صحن میں مہندی کی رسم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس اسلم بھائی کا گندمی رنگ اور بھی سانولا لگ رہا تھا۔ اسے جانے کیوں ایک دم ہی گل کی قسمت پھوٹنے کا یقین سا آ گیا۔

"بھابھی! آپ نے گل کے شوہر کو دیکھا۔ کتنا فضول سا ہے ہماری گل کتنی رومانٹک سی ہے اور یہ اسلم بھائی تو ایویں سے لگ رہے ہیں۔ کمال ہے آرمی میں ایسے آفیسرز بھی ہیں۔ میں تو کبھی کسی آرمی آفیسر سے شادی نہ کروں۔ کھڑوس اور بور ہوتے ہیں جیسے یہ اسلم بھائی ہیں۔"

وہ کہتے کہتے مڑی اور پھر ٹھٹک گئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا حوریہ نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ سامنے والے کے تیور بڑے سخت تھے نگاہیں سرد اور کٹ دار۔ اسے جھرجھری سی آ گئی۔ وہ راستے میں کھڑی تھی۔ بھابھی نے اس کو ٹہوکا دیا تو وہ فوراً ایک طرف ہو گئی۔

سارا وقت وہ نگاہیں اسے ڈسٹرب کرتی رہیں۔ وہ جو کوئی بھی تھا۔ حوریہ اس کے بارے میں پوچھ نہیں سکتی تھی' جانے اس کا کیا تاثر بنتا۔ کس طرح گھور رہا تھا جیسے —— برسوں پرانی دشمنی ہو۔ پھر مہندی کی رسم کے دوران وہ سارا وقت اسلم بھائی کے ساتھ ساتھ رہا۔ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ اور معنی خیز ہنسی بتا رہی تھی کہ وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ رات گئے وہ سب واپس آئے تو نیند حوریہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ جانے کون ہے ؟! اسلم بھائی اور گل کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے وہ سوچتی رہی الجھتی رہی۔

دوسرے دن کوئی فنکشن نہیں تھا۔ اگلے روز لڑکے والوں کو مہندی لے کر آنا تھا۔ گل کی مہندی میں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ حوریہ دونوں ہاتھوں میں گیلی مہندی کے گولے بنا کر مہمانوں پہ پھینک رہی تھی۔

اپنی عادت کے مطابق وہ سب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ گل کے دیور عاطف کے منہ پہ مہندی کا گولہ لگا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اس کا دوسرا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور پل بھر میں سلیمان کا سفید کلف کرتا داغدار ہو گیا وہ تو فوراً" برداشت کھو بیٹھا۔ اصل غصہ تو کل کا تھا جب وہ حسینہ اسلم بھائی کے بارے میں اپنے نادر خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔ اسلم بھائی سے اسے بے پناہ لگاؤ تھا۔ کل اس نے بمشکل ضبط کیا تھا آج بدلہ چکانے کا سنہری موقع تھا۔ اس نے حوریہ کو خوب کھری کھری سنائیں۔

"اپنی عمر دیکھیں اور حرکتوں پہ غور کریں۔"

وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔ آنکھوں سے حسب عادت شعلے لپک رہے تھے۔ سب کے سامنے اس عزت افزائی پہ اسے رونا آ گیا وہ تیزی سے وہاں سے نکلی تھی گل کی خالہ زاد بہنیں اسے روکتی رہ گئیں پر اس نے نہ رکنا تھا نہ رکی۔

یہ تھا سلیمان کے ساتھ اس کا پہلا تعارف وہ اسلم اور گل کا کزن تھا۔ اسلم بھائی کے ساتھ عمر کے تفاوت کے باوجود وہ اس کی دوستی کی وجہ جان چکی تھی۔ اسلم بھائی اور سلیمان آرمی آفیسرز تھے۔

گل کی بارات پہ وہ چپ چپ سی تھی۔ ولیمہ پہ وہ جانا تو نہیں چاہ رہی تھی پر بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ آج تو گل کی چھب ہی نرالی تھی۔ وہ کل سے بڑھ کر آج حسین لگ رہی تھی۔ شرمگیں مسکراہٹ اور جھکی جھکی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ خوش ہے۔

دو بجے کے قریب کھانے کا شور اٹھا تو اس نے معذرت کر لی۔ اسے بالکل بھوک نہیں تھی۔ گل کو کھانے کے لیے اندر لے جایا گیا تو وہ وہاں اکیلی رہ گئی ابھی وہ وہاں سے اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ سلیمان اس کے سامنے آ رکا۔ وہی سرد چبھتی ہوئی نظریں تھیں۔

"گل بھابھی سے پوچھ کر اچھی طرح تسلی کر لیں کہ وہ خوش ہیں یا نہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ ان کے بارے میں یہ ملال لے کر جائیں کہ ان کی قسمت پھوٹ گئی ہے۔"

اسے پتہ تھا کہ وہ اسے چڑا رہا ہے۔ اس نے منظر

سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔

پھر چوتھی اور مکلاوے کی رسم میں کئی بار سلیمان سے اس کا سامنا ہوا۔ ہر بار اس کی نگاہوں میں حوریہ کو اپنے لیے تمسخر اور سرد مہری نظر آئی۔ حالانکہ باقی گھر والوں سے اس کا رویہ بہت مہذبانہ تھا۔

اس نے دبے لفظوں میں گل سے اپنی ناراضی کا اظہار بھی کیا۔

"آپ کے یہاں مہمانوں سے یہ سلوک کیا جاتا ہے۔"

"تم سلیمان کے مزاج سے واقف نہیں ہو۔ وہ قدرے سخت مزاج کا ہے۔ اس کی موجودگی میں دوسرے لڑکے لڑکیاں بھی حد سے باہر نہیں ہوتے۔ تمہارا اس کے ساتھ اس طرح کرنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے برابر ہے مگر پھر بھی اس کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔"

لیکن اکیلے میں اسے بہت رونا آیا۔ سلیمان نے کیسی عزت افزائی کی تھی۔ کیسا سخت لہجہ تھا اس کا کہ دوبدو جواب دینے والی حوریہ بھی دبک گئی تھی۔

وہ بے نام سی اداسی اور بے کلی لے کر واپس آئی تھی جس کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔ گھر والوں نے بھی بہت جلد اس کی یہ کیفیت نوٹ کر لی تھی۔ اس نے تھکن کا بہانہ کر کے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

پھر کچھ دن بعد بی اے کا رزلٹ آؤٹ ہوا تو اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

* * *

اس روز وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو غیر متوقع طور پہ اس کے تایا اور تائی سلیمان کے والد' گل اور اسلم بھائی ان کے گھر میں موجود تھے۔ ان کی آمد اس کے لیے اچنبھے کا باعث تھی۔ اس نے خوش دلی سے فرداً فرداً سب سے حال احوال دریافت کیا۔ گل شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

حوریہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔

"آخر مجھے بھی تو پتہ چلے کہ یہ سب کیا ہے؟" وہ گل کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر ستانے کے بعد اگل ہی دیا۔

"دراصل خالو اور ہم سب تمہارے لیے کیپٹن سلیمان کا پروپوزل لائے ہیں۔"

اگر بم اس کے سر پہ پھٹتا تو شاید اسے اتنی حیرت نہ ہوتی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ سرد کٹ دار نگاہوں کے مالک اکھڑ اور بے نیاز سے سلیمان کا پروپوزل اس کے لیے آیا ہے۔ گل بتا رہی تھی کہ خود سلیمان نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے۔ حیرت در حیرت کا ایک سلسلہ تھا جو کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ اسے بس یہی یاد تھا کہ سلیمان نے اس کے لیے خود اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

شادی میں ہونے والی بدمزگی کے علاوہ سلیمان ہر لحاظ سے اسے موزوں لگ رہا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ اپنی تمام تر سخت مزاجی سمیت وہ اسے اچھا بھی تو لگا تھا' جانے کیوں ؟ گاؤں سے آنے کے بعد جب وہ اس کے بارے میں سوچتی تھی تو ایک بے نام سا درد بھی جاگ اٹھتا اسے لگ رہا تھا جیسے یہ اس کی بھی دیرینہ خواہش تھی۔ اس نے لاکھ خود کو سمجھایا تھا۔ ضدی جذبوں کو تھپک تھپک کر سلایا تھا اور اپنے تئیں یہ سمجھتی رہی تھی کہ وہ کامیاب ہو گئی ہے پر آج سب کچھ ہی غلط ثابت ہو گیا تھا۔ وہ بے پناہ خوش تھی کہ اوپر والے نے کس طرح اس کی خواہش پوری کر دی ہے۔

گھر والوں نے سوچنے کی مہلت مانگی۔ احسان احمد نے اپنے طور پہ سلیمان کے بارے میں چھان بین کروائی۔ خاندان اچھا تھا۔ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ فیملی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ سلیمان سے بڑا ایک اور بھائی اور ایک چھوٹی بہن تھی۔

والدہ حیات نہیں تھیں۔ گاؤں میں ان کی وسیع اراضی تھی۔ نوکر چاکر تھے۔ حویلی نما گھر تھا۔ سلیمان شوق کے تحت نوکری کر رہا تھا ورنہ اس کی ضرورت

نہیں تھی۔

حوریہ کی مما کے نزدیک صرف ایک بات تذبذب کا باعث تھی کہ سلیمان کے خاندان میں عورتیں گھریلو امور زیادہ تر خود سرانجام دیتی تھیں۔ خود اس کی مما جہیز میں دو نوکرانیاں ساتھ لائی تھیں۔ شوہر بھی والہ و شیدا تھے۔

احسان احمد نے بیوی کے سارے اعتراض مسترد کر دیے۔ ان کے نزدیک ان معمولی باتوں کی چنداں اہمیت نہیں تھی پھر حوریہ نے کون سا شادی کے بعد گاؤں میں رہنا تھا۔ سلیمان پنڈی میں جاب کر رہا تھا کہ ظاہر ہے اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا۔

منگنی کی رسم دھوم دھام سے انجام پائی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ سب کی چھیڑ چھاڑ بھی اچھی لگ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ سلیمان سے ڈھیروں باتیں کرے۔ کل سے اس نے سلیمان کا سیل نمبر بھی لے لیا تھا لیکن اب بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے سابقہ رویے کے پیش نظر اسے ڈر بھی لگ رہا تھا کہ شاید وہ فون کرے تو سلیمان اسے ڈانٹ دے۔ ناچار وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ ساتھ یہ اطمینان بھی تھا کہ اب وہ اسی کا ہے منگنی اور شادی کے درمیان کا وقفہ اسے دنیا کا سب سے حسین وقت لگا تھا۔ اس وقت تو اس کی خوشی کی انتہا ہو گئی جب رانی کے نکاح کے موقع پہ اس کے ہونے والے سسر اور سلیمان کے والد نے اسے بطورِ خاص آنے کی تاکید کی۔ حوریہ کے گھرانے میں شادی سے پہلے ہونے والی سسرال جانا کچھ ایسا بھی معیوب تصور نہیں کیا جاتا تھا۔

وہ بڑا دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ اس کی سب سے بہترین دوست سامعہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ مگر سلیمان کے گھر جا کر وہ پریشان ہو گئی جب اس نے ہر عورت کو اپنی طرف دیکھتے پایا۔ دبے دبے لہجے میں سرگوشیاں بھی ہو رہی تھیں کہ کیسی دیدہ ہوائی لڑکی ہے شادی میں اتنا کم عرصہ رہ گیا ہے اور مزے سے سسرال آ گئی ہے۔ ماں کو بھی پروا نہیں ہے۔ بیٹی کی تربیت ہی ایسی کی ہے۔

سلیمان کی چھوٹی چچی نے جلے بُھنے انداز میں تبصرہ کیا تھا جو سلیمان کی سماعتوں تک مزید اضافوں کے ساتھ پہنچا۔ کچھ اسی سے ملتے جلتے تبصرے کچھ اور بزرگ خواتین کے بھی تھے۔

سلیمان کی نگاہوں میں سرد سی کیفیت بدستور موجود تھی۔ جس نے اسے نئے سرے سے اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

ایک بے نام سا درد لیے وہ وہاں سے لوٹی تھی۔

* * *

وہ پوری طرح فلم کے رومانوی مناظر میں کھوئی ہوئی تھی۔ ہر پندرہ بیس منٹ بعد ایک سنگین و رنگین قسم کا گانا آ جاتا۔ اس کا ارتکاز قابل دید تھا۔ بڑی بھابھی دو بار جھانک کر جا چکی تھیں۔ پر مجال ہے جو اس نے نوٹس لیا ہو۔ ویسے تو دو سالہ ٹیپو میں اس کی جان اٹکی رہتی تھی پر جب سے فلم شروع ہوئی تھی۔ وہ اس سے تقریباً بے نیاز ہو چکی تھی۔ بے چارہ ٹیپو اپنی اکلوتی پھوپھو کی توجہ نہ پا کر رونے لگا تھا۔ فلم جوں جوں اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی اس اشتیاق میں اضافہ ہو رہا تھا۔

فلم ختم ہوئی تو وہ صوفے پر ہی کشن سر کے نیچے رکھے دراز ہو گئی۔ ٹیپو پاؤں پاؤں چلتا اس تک پہنچ ہی گیا۔ حوریہ نے اسے بازوؤں میں بھر کر چٹاچٹ اس کے گال سرخ کر ڈالے تو وہ پھر سونے لگا۔ وہ [illegible] اٹھا کے باہر آ گئی۔ ماسی عظمت باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ مسالہ بھننے کی خوشبو نے اس کی بھوک کو بھی بیدار کر دیا۔

کھانا پکنے میں ابھی دیر تھی۔ اس لیے اس نے فریج سے صحت مند سا سیب نکال لیا اور چھری سے کاٹ کر ایک ٹکڑا ٹیپو کو بھی تھمایا۔ وہ سیب اور کھلونوں کے ساتھ مگن ہو چکا تھا۔ اس وقت اس کی دوست سامعہ کا فون آ گیا۔ وہ سوشیالوجی کے ٹیسٹ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"کیا رکھا ہے خشک کتابوں میں۔ نری درد سری۔ پڑھ پڑھ کر رنگ و روپ برباد کیے جاؤ۔" تنگ آ کر اس نے فون ہی بند کر دیا۔

چھوٹی بھابھی کی پکار پر اس نے ایک نظر اپنے حلیے پہ ڈالی۔ جدید فیشن کے کپڑوں میں ملبوس اسکارف گردن میں ڈالے وہ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پہ اس کے قدم ایک ثانیے کے لیے رکے تھے۔ اندر سلیمان آرمی یونیفارم میں ملبوس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا۔ حوریہ نے سلام کیا تو اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور دوبارہ مما سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ حوریہ کو یہاں سے اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر موسم بھی بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔ کالے کالے بادل آسمان پہ جمع ہو کر برسنے کی تیاری کر رہے تھے۔

سلیمان دفتری کام کے سلسلے میں اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ حمزہ بھائی نے دیکھا تو اصرار کر کے گھر لے آئے۔ منگنی کے بعد وہ دوسری بار آیا تھا۔ سلیمان کی لاکھ کوشش کے باوجود مما نے اسے جانے نہیں دیا کہ اس خراب موسم میں اس کی گاڑی بھی خراب ہو سکتی تھی کیونکہ ویک اینڈ تھا اور اسے گاؤں جانا تھا۔

اب وہ یہاں بیٹھا اس وقت کو کوس رہا تھا جب حمزہ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔

اس کے لیے گیسٹ روم کھلوایا گیا۔ رات ہو چکی تھی۔ بارش بدستور جاری تھی۔ حمزہ اور اظہر اس کے پاس سے اٹھے تو وہ شاور لینے باتھ روم میں گھس گیا۔ باہر نکلا تو حوریہ صوفے پہ بیٹھی میگزین کے صفحات پلٹ رہی تھی۔

"میں نے سوچا ذرا آپ کی خیریت پوچھ لوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

سلیمان تولیے سے بال خشک کرتا باتھ روم سے باہر آیا اسے دیکھ کر وہ بستر پر رکھی اپنی شرٹ اٹھانے کے لیے آگے بڑھا اس وقت اچانک لائٹ چلی گئی۔

"میں دیکھتی ہوں موم بتی اور ماچس دراز میں ہو گی۔" وہ اٹھی اور اندازے سے ٹٹول کر سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ راستے میں

سلیمان کا چٹان سا وجود حائل تھا۔ جانے کیا ہوا تھا۔ اس کا پاؤں دوپٹے میں الجھا تھا وہ اپنی جھونک میں اس سے ٹکرائی تھی۔ اس تصادم کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھا۔ یکدم پیچھے ڈبل بیڈ پہ گرا تھا۔ حوریہ نے گرنے سے بچنے کے لیے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑا تھا۔ نتیجتاً وہ اس کے اوپر تقریباً اوندھی ہو گئی تھی۔

عین اسی وقت لائٹ آ گئی۔

بس وہ لمحوں کی جادوگری تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلی۔

وہ ابھی تک اس کی سانسوں کی مہک اپنی گردن کے آس پاس محسوس کر رہا تھا۔

بارش کی ٹپاٹپ وسیع صحن میں جلترنگ بجا رہی تھی اور کچھ ایسا ہی جلترنگ حوریہ کے دل میں بھی بج رہا تھا۔

* * *

"تم کسی آرمی آفیسر سے کبھی بھی شادی نہ کرو۔ بور اور ٹھس ہوتے ہیں مگر دیکھ لو تمہاری شادی آرمی آفیسر سے ہو ہی گئی۔"

شادی کے بعد سلیمان نے سب سے پہلا جملہ اس سے یہی کہا۔ ایک بار حوریہ نے گل سے کہا تھا کہ وہ گاؤں میں سکون سے زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ سلیمان نے بھی سن لیا تھا سو بڑے بے نیازانہ انداز میں کہا۔

"میں ٹھہرا ٹھس اور بور بندہ میرے ساتھ تم کہاں خوش رہو گی۔ ادھر گاؤں میں مزے کرو۔"

نئی زندگی کی اس شروعات پہ حوریہ کو بہت رونا آیا تھا، سلیمان نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حوریہ کے پاس ہوتا تو یوں لگتا جیسے کسی ناگوار بوجھ کو سر سے اتار رہا ہو۔ بس روٹین کی زندگی تھی۔ شادی کے بعد سلسلے میں ملی گئی چھٹیاں ختم ہوئیں تو وہ پنڈی واپس چلا گیا۔

حوریہ نازک احساسات کی مالک تھی۔ اسے شدید ٹھیس لگی پر جھیل گئی تھی۔ ہاں دل کبھی کبھی سوچنے پہ مجبور کر دیتا کہ آخر کیا بات ہے جو سلیمان اس سے امتیازی سلوک روا رکھے ہوئے ہے۔ اس نے ان تمام باتوں کو گھر والوں سے پوشیدہ ہی رکھا تھا۔ مما نے اس سے کہا تھا کہ تم سلیمان کے ساتھ رہو۔ اس نے بڑی سہولت سے بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔

"مما! ابھی میں کچھ عرصہ گاؤں کی خالص فضا اور ماحول میں گزارنا چاہتی ہوں۔ زندگی پڑی ہے سلیمان کے ساتھ رہنے کے لیے۔"

مما اس کی بات سے اختلاف کے باوجود کچھ بول نہ سکیں۔

سیما بھابھی کی جھکی جھکی اداس نگاہوں نے اسے کئی بار کچھ پوچھنے پہ مجبور کیا تھا۔ لیکن ہر بار وہ خود کو روک لیتی۔ ان کے شوہر کے بارے میں شادی سے پہلے اس نے یہی سنا تھا کہ وہ مڈل ایسٹ میں ہیں پر اب تک جب کہ اسے سسرال آئے چار ماہ گزر چکے تھے ایک بار بھی ان کا فون نہیں آیا تھا۔ گھر میں ان کا ذکر تک نہیں ہوتا تھا۔ اور یہی بات اسے الجھن میں ڈالتی تھی۔

سیما بھابھی اپنی گلابی رنگت اور غلافی آنکھوں سمیت تیکھے تیکھے نقوش لیے سیدھی دل میں اتر جاتی تھیں۔ حوریہ کو حیرت ہوتی کہ وہ اپنے حلیے سے بالکل لاپروا رہتی تھیں۔

سیما بھابھی سارا دن گھر کے کاموں میں مگن نظر آتیں۔ حالانکہ زینت اور عذرا بھی تھیں مگر ان کے ساتھ وہ خود بھی لگی رہتیں۔ حوریہ کو ابھی تک انہوں نے کسی کام کو بھی ہاتھ نہیں لگانے دیا تھا۔ وہ بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ اسے کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ نند بہنوں جیسی تھی سیما بھابھی اور سسر کا وجود بے ضرر تھا۔ ساس تھی ہی نہیں۔ اگر اسے شکایت تھی تو سلیمان سے۔ جس نے اول روز سے اجنبیوں والا رویہ اپنایا ہوا تھا۔ اسے گئے ڈیڑھ ماہ سے زائد ہو گیا تھا پر اس نے ایک بار بھی حوریہ کے سیل فون پہ کال نہیں کی تھی اور نہ ایس ایم ایس۔ خود اس نے فون کیا تو حسب عادت اکھڑے اکھڑے انداز میں بات کر کے فون بند کر دیا۔

آج رات اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ سلیمان

سے بات کرے۔ رات کے ساڑھے دس بج چکے تھے جب اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی۔ اس نے دوسری دفعہ ملایا۔ تیسری بار بھی یہی حال ہوا پانچویں بار جواب ملا "نمبر بزی" ہے اور پھر پورا ڈیڑھ گھنٹہ سلیمان کا نمبر مصروف رہا تو اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔

اس نے غصے سے سیل فون بستر پہ پھینک دیا اور تکیے میں منہ چھپا کر خوب روئی۔ صبح ہوئی تو اس نے مما کی طرف جانے کا پروگرام بنایا۔ ڈرائیور اسے چھوڑ آیا۔

اسے مما کی طرف آئے دوسرا روز تھا جب رانی کا فون آیا کہ سلیمان گھر آیا ہوا ہے۔ سو دل ہی دل میں جھنجلائی۔

"میں کیا کروں۔ نواب صاحب آئے ہوئے ہیں تو ان کی نازبرداریاں کروں۔ پتہ نہیں کون سا سنگ دل لمحہ تھا جب یہ شخص میری سوچوں پہ قابض ہوا تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ شادی کے بعد یہ سب ہوتا ہے تو میں کبھی بھی اس سے شادی نہ کرتی۔ میں نہیں جاؤں گی میری بلا سے آیا ہے تو آئے۔" وہ پکا فیصلہ کر چکی تھی۔ صبح سیما بھابھی کا فون آیا تھا۔ حسب عادت وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔

"سلیمان کی طبیعت خراب ہے حوری!" ان کے بتانے کی دیر تھی اس کا دل قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔

"او گاڈ! وہ بیمار ہے اور مجھے پتہ ہی نہیں۔" اس نے اسی وقت جانے کی تیاری کر لی۔

شام سے پہلے پہلے وہ حویلی پہنچ چکی تھی۔

سلیمان ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ طبیعت خرابی کی کوئی بھی علامت اس کے چہرے پہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بلکہ وہ نئے ہیئر اسٹائل کے ساتھ پہلے سے زیادہ اسمارٹ اور جاذب نظر لگ رہا تھا۔ حوریہ نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔

سیما بھابھی نے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا تو وہ ساری شرارت جان گئی۔

"قسم سے تمہیں نہ پا کر اتنا پریشان تھا کہ حد نہیں۔ مجھ سے اس کی افسردگی دیکھی ہی نہیں جا رہی تھی اس لیے جھوٹ بولا۔" غصہ آنے کے باوجود حوریہ نے ظاہر نہیں کیا۔

عذرا اس کا بیگ اندر لے گئی۔ اسے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر اس نے وہیں کھڑے ہو کر پینا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ بوتل واپس رکھتی۔ سلیمان اس سے بوتل واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا۔

"پانی دو۔" شکر ہے کہ اسے بروقت عقل آ گئی۔ اس نے دوسری بوتل سے پانی گلاس میں انڈیل کر سلیمان کو دیا۔ اس دوران وہ بڑے غور سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔

موسم کی مناسبت سے لان کے نفیس سے سوٹ میں ملبوس کھلے بالوں کے ساتھ وہ سیدھی دل میں اتر رہی تھی۔

اس نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ کیسی ہو، مجھے مس کیا یا نہیں؟ وہ پورے دو ماہ کے بعد واپس آیا تھا اور اسی طرح اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ اسے اب سیما بھابھی پہ غصہ آنے لگا کہ کیوں ان کے کہنے پہ واپس آ گئی۔

"اونہہ! ایسی ہوتی ہے افسردہ کیفیت۔ ایک بار بھی سوکھے منہ نہیں پوچھا کہ کیسی ہو کس حال میں ہو۔" پھر اس سے تو کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ جبکہ سلیمان نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ بھابھی نے تمام برتن سمیٹے۔ حوریہ نے مدد کروانا چاہی تو سہولت سے منع کر دیا۔

"اتنے دنوں کے بعد آیا ہے سلیمان تم جاؤ اس کے پاس، رات کافی ہو گئی ہے۔"

ان کے ناں ناں کرتے کے باوجود وہ کچن کا پھیلاوا سمیٹنے تک ان کے ساتھ ہی رہی اور چھوٹے کام بھی کرواتی رہی۔

بھابھی نے اپنا کام ختم کرنے کے بعد عذرا سے دودھ گرم کروایا۔ عذرا اس دوران دھلے برتن رکھ چکی تھی۔ سب کاموں کے بعد عذرا نے بھی واپسی کی راہ لی۔ سیما بھابھی پہلے ہی سونے کے ارادے سے جا چکی تھیں۔ وہ دس پندرہ منٹ بے مقصد ادھر ادھر گھومتی

رہی۔ سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف برآمدے اور مردان خانے کی لائٹ جل رہی تھی۔ اپنے کمرے تک جانا پل صراط پر سے گزرنے کے مترادف لگ رہا تھا۔

سلیمان جوتوں سمیت بستر پہ دراز تھا۔ آہٹ سن کر ذرا سا رخ موڑا۔ وہ چہرے سے ہی خفا خفا نظر آ رہی تھی۔

"ذرا میرے شوز تو اتار دو۔" اسے دیکھتے ہی حکم ہوا۔

"کیا؟" اسے از حد حیرت ہوئی تھی۔

"میں نے کہا ہے' میرے جوتے اتار دو۔" اب کی بار وہ سختی سے بولا تو حوریہ نے عمل در آمد میں دیر نہیں لگائی۔

جوتے اتار کر وہ ہٹنے ہی لگی تھی کہ سلیمان نے اس کی کلائی پکڑ لی حوریہ کا دل بے تال ہوا۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔

"آخر کار محترم کو میرا خیال آ ہی گیا۔" وہ نازاں سی ہو گئی۔ سلیمان نے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے پاس جا گری۔ اس کی جادوگر گہری آنکھیں حوریہ کی آنکھوں سے ملیں۔

"بہت شور کرتی ہیں تمہاری چوڑیاں۔ اتار دو انہیں۔ میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔"

"اف!" کوئی خواب چکنا چور ہوا۔ اس نے ساری چوڑیاں اتار دیں۔ کتنے چاؤ سے اس نے سوٹ کے ساتھ میچنگ چوڑیاں پہنی تھیں۔ آئینے نے اسے کتنی بار سراہا تھا۔ وہ تو دل میں رکھنے کے لائق تھی اور یہ اسے قدموں میں بھی جگہ نہیں دے رہا تھا۔

"بیویوں والی کوئی ادا نہیں ہے تم میں۔ حالانکہ میں نے تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق رکھا ہوا ہے۔ کوئی جبر نہیں کیا تم گاؤں میں رہنا چاہتی تھیں' میں نے تمہاری یہ خواہش بھی پوری کی' تم میرے جیسے آرمی آفیسر سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں پر میں نے کی کیونکہ دیکھنا چاہتا تھا کہ......"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تو حوریہ کو آگ لگ گئی۔

"کون کہتا ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی؟" اس کے دل نے دہائی دی پر لب خاموش رہے۔

"میں نے کبھی سوتے سے تمہیں نہیں اٹھایا۔" ایک اور احسان کا اضافہ۔ وہ اٹھ کر بیٹھا اور پہنی ہوئی شرٹ اتار کر اس کی طرف پھینکی۔

"اتنے عرصے بعد گھر آیا ہوں۔ تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" ایک اور حملہ وہ تلملا سی گئی۔ نئی شرٹ لے جا کر باتھ روم میں لٹکائی خود کپڑے بدل کر آئی تو سلیمان سو رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا سونے کی اداکاری کر رہا ہے۔ وہ بھی دوسرا تکیہ لے کر بیڈ کے دوسرے کونے پہ جا کر لیٹ گئی۔

"آئندہ جب میں گھر آؤں تو تمہیں گھر پہ ہی ہونا چاہیے۔" اندھیرے میں اس کی آواز ابھری تو باوجود ضبط کے حوریہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اگر اتنی ہی مجھ سے محبت ہے تو ساتھ لے جاؤ ناں کیوں خود سے دور رکھا ہوا ہے۔ کیوں جلاتے ہو اگر نادانستگی میں کچھ لفظ میرے منہ سے نکل ہی گئے تھے تو انہیں بھول کیوں نہیں جاتے میرا جرم اتنا بڑا تو نہیں ہے۔"

پر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

اندھیرے میں سلیمان کے سگریٹ لائٹر کا شعلہ چمکا تب اس نے رخ موڑ کر دیکھا۔ وہ خاصا ڈسٹرب اور ذہنی تناؤ کا شکار لگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے خوشی سی محسوس ہوئی۔ سلیمان نے اٹھ کر ٹیوب لائٹ جلا دی تو اس نے آنکھوں پہ دوپٹہ رکھ لیا۔

سلیمان نے یکے بعد دیگرے چار سگریٹ پھونک ڈالے۔ تب وہ بھی آنکھوں سے دوپٹہ ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔

"نہ جانے محترم کے ساتھ کیا پرابلم ہے۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔

"آپ اتنی اسموکنگ کیوں کر رہے ہیں؛ وہ بھی رات کو۔" وہ مسکرایا تو حوریہ خفیف سی ہو گئی۔

کیا بتائیں تمہیں یہ دل والے
کس آگ میں جلتے رہتے ہیں

خاصے انداز سے شعر پڑھا گیا۔

"گویا کیپٹن صاحب کے پاس بھی دل ہے۔" وہ خود سے بولی تھی۔ وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جانے کیوں وہ نروس ہونے لگی۔

"یہ بھی جلاتی ہے۔" اس نے سگریٹ کی طرف اشارہ کیا "اور تم بھی۔"

وہ سن سی ہو گئی "میں نے کیا کیا ہے؟"

"بتاؤں گا' ضرور بتاؤں گا۔ گن گن کر بتاؤں گا۔ بائی دا وے میں صبح جا رہا ہوں۔"

اطلاع دی گئی' وہ بکھر سی گئی۔ اور منہ دوسری طرف کر کے وہ بے آواز رونے لگی۔ پھر جانے کب اسے نیند آ گئی۔

البتہ سلیمان بہت دیر بعد سویا تھا۔ لائٹ بند کرتے ہوئے اس کی نظر حوریہ پہ پڑی۔ ایک ہاتھ رخسار کے نیچے رکھے وہ سوتے میں بھی بے چین لگ رہی تھی۔

"ہاں! ہم جنگلوں میں رہنے والے فوجی لوگ نازک خیالی کیا جانیں۔"

اسے حوریہ کی بات یاد آ گئی تھی جو اس نے ایک بار بڑے تلخ انداز میں گلے سے کی تھی۔

"فوجی لوگ کیا جانیں کہ رومانس کیا ہوتا ہے۔ نازک جذبات کیا ہوتے ہیں۔"

"حوریہ بی بی! تمہیں ایک بار ضرور یاد کرائیں گے فوجی لوگ اتنے بھی۔۔۔" کندھے جھٹکتے ہوئے وہ لائٹ بند کر کے جب بستر پہ آیا تو رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔

* * *

ایک بار پھر وہ تھی اور اس کی لامتناہی سوچیں۔ موسم اچھا خاصا بدل چکا تھا۔ خنکی کی جگہ گرمی نے لے لی تھی۔ سیما بھابھی اور رانی حسب معمول اپنے اپنے کاموں میں لگی رہتیں۔ اس کے پاس کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ دل چاہتا کہ چپ چاپ کسی انجانی وادی میں جا بسے جہاں کوئی اسے پہچانتا نہ ہو۔

وہ رہنے کے ارادے سے مما کے پاس اسلام آباد چلی آئی۔

موسم بہت اچھا ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی جانے اس کے من میں کیا سمائی کہ گاڑی کی چابی اٹھا کر کسی کو بتائے بغیر گھر سے باہر آ گئی۔ یہ سوہاوہ' وہ اکثر آتی رہتی تھی۔ آج بھی بے ارادہ اس نے گاڑی اس سمت میں موڑی تھی۔ کار پارک کرنے کے بعد وہ یونہی چہل قدمی کرنے لگی۔ سامنے کچھ فاصلے پہ قدرے بلندی سی جگہ ایک درمیانی عمر کا مرد بیٹھا ہوا تھا۔ دنیا جہاں سے بے خبر جیسے وہ اکیلا ہی ہو۔ جانے کیوں حوریہ کو خواہ مخواہ ہی اس سے ہمدردی ہونے لگی۔

"پتہ نہیں بے چارے کو کیا غم ہے؟" وہ سوچتے سوچتے اس کے قریب چلی گئی۔ اسے دیکھنے کے بعد وہ چونکا تھا۔

"میں حوریہ ہوں۔ یہیں اسلام آباد میں رہتی ہوں اور آپ؟" اس کی زبان سے یہ لفظ میکانکی انداز میں ادا ہوئے تھے۔

"افسر نیاز' کرنل افسر نیاز۔" بے ساختہ ایک سادہ اور اداس سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

"آپ اکیلے دنیا جہان سے بے خبر ادھر کیوں بیٹھے ہیں؟" یہ سوال قطعاً غیر ارادی طور پہ اس نے کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے کرنل افسر کے چہرے پہ گڑبڑاہٹ سی نظر آئی۔ صرف چند منٹ کے بعد ہی انہوں نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اور وہ الجھ سی گئی تھی۔ جب ایک گھنٹے بعد وہ وہاں سے اٹھی تو انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر وعدہ بھی لے چکی تھی کہ وہ ضرور آئیں گے۔

* * *

آپ جیسا کوئی میری زندگی میں آئے
تو بات بن جائے ہاں ہاں بات بن جائے
تمہارا دل نہ سنبھلے گا آپ کو ہی چاہے گا
آپ سا کہاں ہے دل آپ کو ہی چاہے

وہ دھیمی آواز میں گنگنا رہی تھی۔

رات پی سی میں اس کے پسندیدہ سنگر فاخر کا کنسرٹ تھا۔ سامعہ اسے بتا کر ٹکٹ لے چکی تھی۔ وہ بڑا دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

وہ وہاں پہنچیں تو پتہ چلا کہ شو لیٹ ہے۔ سامعہ پوری طرح انجوائے کر رہی تھی۔ کیونکہ حوریہ کی شادی کے بعد سے وہ آج اس طرح بے فکری کے عالم میں اکٹھی ہوئی تھیں۔ آتے جاتے لوگوں کو حوریہ دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ جب اچانک اس کی نظر سلیمان اور اس لڑکی پہ پڑی تھی۔ وہ بڑی محویت سے باتیں کرتے ادھر ہی آرہے تھے۔

لمحہ بھر کے لیے وہ سُن سی ہو گئی۔ جدید فیشن کے لباس میں ملبوس وہ لڑکی بڑی خاص لگ رہی تھی۔ سلیمان کے کندھے سے کندھا ملا کر چلتے ہوئے وہ بڑی پُراعتماد نظر آرہی تھی۔ صد شکر کہ سامعہ نے انہیں نہیں دیکھا ورنہ حوریہ جو سلیمان کی بے تابیوں اور بےقراریوں کے جھوٹے قصے اسے سناتی تھی آج ضرور اسے شرمندہ کرویتی۔ سلیمان اس کے پاس سے گزرا تو تب اس نے حوریہ کو دیکھا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات نارمل ہی تھے۔ اس کے ملبوس سے قیمتی مردانہ پرفیوم کی خوشبو آرہی تھی۔

"محترم یہاں پرائی عورتوں کے ساتھ گل چھرے اڑا رہے ہیں اور میں وہاں گاؤں میں ناکردہ گناہوں کی سزا کاٹ رہی ہوں۔" اس نے زہرخند ہو کر سوچا۔

شو شروع ہوا تو وہ ہال میں آگئیں۔

سامعہ تو پوری طرح انجوائے کر رہی تھی اور وہ صرف پوز کر رہی تھی۔

خدا خدا کر کے شو ختم ہوا۔ رات کافی زیادہ ہو چکی تھی۔

سامعہ پارکنگ لاٹ سے گاڑی نکال رہی تھی جب سلیمان ان دونوں کے پاس پہنچا۔ اب کی بار وہ اکیلا ہی تھا۔

"سامعہ آپ یہاں۔ واٹ اے سرپرائز۔ میری ہاف بیٹر بھی آپ کے ساتھ ہے۔"

دنیا جہان کا اشتیاق اس کے چہرے پہ سمٹ آیا تھا وہ یوں پوز کر رہا تھا جیسے دونوں کو ابھی دیکھا ہو۔ حوریہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

"وہ سلیمان بھائی آپ!" سامعہ بڑی خوش دلی سے ملی۔

"تم سے بڑا اداکار میں نے نہیں دیکھا۔" وہ صرف سوچ ہی سکی۔

پانچ منٹ تک وہ پارکنگ لاٹ میں کھڑا سامعہ سے باتیں کرتا رہا۔ حوریہ بھی دل پہ جبر کر کے بولتی رہی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے اندرونی اضطراب پہ قابو پایا ہوا تھا ورنہ ایک لاوا سا تھا جو پھٹ پڑنے کو بے تاب تھا۔

"آپ اکیلی ہیں۔ رات کافی ہو گئی ہے۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے آفر کی۔ سامعہ اس دوران حوریہ کو شرارتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"تم اپنے ہیرو کے بغیر یوں بھی اداس تھیں دیکھ لو۔ آیا ہے تمہاری محبت میں بے قرار ہو کر اور تم خوامخواہ ضد کر کے گاؤں میں پڑی ہو' بے چارے کو سزا دے رہی ہو۔ دیکھو کتنا خوش نظر آرہا ہے اس اتفاقی ملاقات پہ۔"

وہ گاڑی موڑ رہا تھا اور ادھر سامعہ اس کے کانوں میں سرگوشیاں کیے جا رہی تھی۔

طے یہ پایا تھا کہ سامعہ اپنی گاڑی میں سلیمان کی گاڑی کے ساتھ ساتھ جائے گی اور حوریہ سلیمان کی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھے گی۔

"رات کافی ہو گئی ہے۔ مجھے آپ دونوں کا اکیلے جانا مناسب نہیں لگ رہا۔"

حوریہ کے چہرے پہ ابھرتے کشیدہ تاثرات دیکھ کر وہ رسانیت سے بولا تھا۔

سامعہ کا گھر ویسٹریج میں تھا جو کہ پی سی سے زیادہ فاصلے پہ نہیں تھا۔ اس کی گاڑی کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو سلیمان نے اپنی گاڑی موڑ کر مطلوبہ راستے پہ ڈال دی۔

"حد ہوتی ہے بے وقوفی کی۔ کہاں اسلام آباد کہاں ویسٹریج۔ دن میں تو یہ فاصلہ کچھ نہیں ہے مگر رات کے ایک بجے یہ ایڈونچر مہنگا بھی پڑ سکتا ہے۔ اب وہ تمہیں چھوڑنے جاتی اور پھر واپس آتی۔ اس آنے جانے میں دو تو بج ہی جاتے ہیں۔ خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر کسی کی نیت بھی خراب ہو سکتی ہے۔"

آخری جملہ اس نے ہنستے ہوئے ادا کیا تھا۔ حوریہ کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھیں۔ وہ منتظر تھی کہ وہ اس طرحدار سی لڑکی کے بارے میں کوئی وضاحت دے گا پر وہ تو اس طرف آ ہی نہیں رہا تھا۔

"جی ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ چبا چبا کر بولی تو سلیمان ہنستا چلا گیا۔

"تم اچھی لگ رہی ہو بلکہ بہت اچھی۔" وہ جھک کر بڑے سحرانگیز لہجے میں بولا تھا۔ "کسی کی نیت ڈانواں ڈول ہو جائے تو اس کا کوئی قصور نہیں۔"

اب کی بار وہ آہستگی سے بولا۔ حوریہ کی سمجھ میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔

راستے سنسان اور خاموش سے تھے۔ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ وقتاً فوقتاً رخ موڑ کر سلیمان خاموش بیٹھی حوریہ کو بھی دیکھ رہا تھا جو سخت کبیدہ خاطر نظر آرہی تھی۔

"میرے ساتھ جاؤ گی؟" صاف لگ رہا تھا وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔

"نہیں۔" وہ تنک کر بولی "میں وہاں خوش ہوں۔ بہت زیادہ خوش۔ سب مجھے چاہتے ہیں۔ میری قدر کرتے ہیں۔" اس نے سلیمان سے زیادہ خود کو باور کرایا تھا۔

"گویا میری ضرورت ہی نہیں ہے۔" وہ مصنوعی طور پہ غمگین لہجے میں بولا تو حوریہ لاکھ ضبط کرنے کے باوجود آنسو اس کی آنکھوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے۔ جنہیں اس نے سلیمان سے چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

جونہی گھر کے سامنے گاڑی رکی' مما پریشانی سے ٹہلتی نظر آئیں۔ حوریہ کو سخت شرمندگی نے آن گھیرا۔ جبکہ مما' سلیمان کو اس کے ساتھ دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

"میں تو سخت پریشان تھی۔ تم اپنا سیل فون گھر پہ ہی چھوڑ گئی تھیں۔ سامعہ کا فون بھی آف ہے۔ تھینکس گاڈ! تم خیریت سے سلیمان کے ساتھ تھیں۔ میں تو پریشان ہوتی رہی۔"

حوریہ کے معاملے میں وہ بیحد حسّاس تھیں۔ اتنی زیادہ کہ انہیں سلیمان سے دعا سلام کرنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ بعد میں خیال آنے پہ انہیں ندامت سی ہوئی۔ وہ بصد اصرار اسے اندر لائیں۔

اس نے لاکھ انکار کیا پر انہوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔

"رات رکو' صبح چلے جانا۔" وہ پیار بھرے رعب سے بولیں تو اسے ہاں کرتے ہی بنی۔ حوریہ نے کمرے میں آکر سب سے پہلے کپڑے تبدیل کیے۔ اسے تو سخت نیند آرہی تھی۔ سلیمان البتہ اسی طرح فریش لگ رہا تھا۔

"کپڑے کیوں بدل لیے؟ اچھی لگ رہی تھیں۔" اسے نائٹ سوٹ میں دیکھ کر سلیمان نے استفسار کیا۔

"میری مرضی!" اس کے لہجے میں ازحد تلخی تھی۔

"تمہاری مرضی پہ ہی تو چل رہے ہیں۔" وہ بڑی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میری مرضی پہ یا اپنی مرضی پہ۔ میرے چند لفظوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر جس طرح آپ کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ بھی مجھے نظر آرہا ہے۔ آخر میرا قصور کیا ہے؟ سب کے سامنے بھرم رکھتے رکھتے میں تھک آگئی ہوں۔ کتنی پُرسکون تھی میری زندگی شادی سے پہلے۔ کوئی فکر کوئی پروا نہیں۔ اپنی نیند سوتی اور جاگتی تھی۔" آواز میں دل گرفتگی نمایاں ہوئی۔

"تو اب کیا کرتی ہو۔ اب بھی اپنی ہی نیند سوتی اور جاگتی ہو۔ تمہیں گھر کی یا میری پروا ہے؟ ابھی تک مس اجنبی بنی ہوئی ہو۔ آج تک کبھی میں نے تم سے اپنا کوئی کام کروایا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا کہ میں سمجھدار اور باشعور لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور تمہارا مزاج ابھی تک بچکانہ ہے۔ میری پروا ہے تمہیں؟"

حوریہ اپنے تئیں ان الزامات پہ اسے ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئی۔

"جب میں پسند نہیں تھی تو پھر شادی کیوں کی تھی؟" وہ چیخ کر بولی۔

"زبردستی کر دی گئی ہماری شادی۔" جواباً اتنے ہی مزے سے کہا گیا تو کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ رونے لگی۔ جبکہ وہ آرام سے لیٹ چکا تھا۔

وہ دس دن مزید اسلام آباد میں رہی اور تقریباً روزانہ ہی ریس کورس میں شام کو کرنل انصر سے ملنے چلی جاتی۔ وہ اس پہ بیحد اعتماد کرنے لگے تھے۔

* * *

آج حوریہ بڑے موڈ میں تھی۔

"محترم کو سلیقہ مند اور سگھڑ بن کر دکھاؤں گی تاکہ پتہ تو چلے حوریہ ہے کیا چیز۔"

کچن میں برتنوں کے ساتھ کھٹر پٹر کرتے ہوئے وہ اچھے خاصے غصے میں تھی۔ سیما بھابھی پاس ہی مرغی فرائی کر رہی تھیں۔

"کیا بات ہے حوری! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت پریشان ہو۔" ان کا ہمدردی سے بولنا تھا کہ وہ اپنا دکھڑا سنانے بیٹھ گئی۔

"بھابھی! سلیمان مجھے بالکل توجہ نہیں دیتے۔ کہتے ہیں میں پھوہڑ ہوں اور یہ کہ مجھے کبھی عقل نہیں آئے گی۔"

"ہاں اسے شروع سے ہی گھریلو لڑکیاں پسند ہیں۔ سنجیدہ مزاج والی۔" وہ کڑاہی سے مرغی کے تلے ہوئے ٹکڑے نکال کر پلیٹ میں رکھتی جا رہی تھیں۔

"بھابھی! میں سنجیدہ مزاج نہیں ہوں؟"

"ہو مگر اتنا بھی نہیں کہ ہر وقت سنجیدگی طاری کیے رکھو۔ تمہاری شخصیت میں بہت سے رنگ ہیں۔ کبھی شعلہ، کبھی شبنم، کبھی دھوپ کبھی بارش، کبھی سنجیدہ، کبھی شرارتی۔ انصر کو بھی چلبلی لڑکیاں پسند تھیں۔"

آخر میں غیر ارادی طور پہ ان کے لبوں سے انصر کا نام نکلا تو وہ گڑبڑا گئیں۔ چہرے کا رنگ متغیر سا ہو گیا۔

"بھابھی! آپ کے شوہر کب سے مڈل ایسٹ میں ہیں؟"

"تقریباً چار سال سے۔" وہ بولتے بولتے کہیں کھو سی گئیں۔

"یعنی جب سے آپ کی شادی ہوئی تب سے!" وہ حیران تھی۔

"ہاں شادی کے چار ماہ بعد چلے گئے تھے۔"

"اور ابھی تک واپس نہیں آئے؟"

"ہاں!" وہ نڈھال نظر آنے لگیں۔

"میں نے بچپن سے اپنے نام کے ساتھ انصر کا نام سنا تھا ان کی محبت دل میں رچ بس گئی تھی۔ انصر کی خاطر میں نے امور خانہ داری میں مکمل مہارت حاصل کی کیونکہ سنا تھا کہ مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ شادی کے فوراً بعد مجھے احساس ہو گیا میں انصر کی پسندیدہ بیوی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ انصر بہت رومانٹک تھے جبکہ میں سب گھر والوں کے دل جیتنے کے چکر میں ہر وقت کاموں میں مگن رہتی۔ مجھے پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔" بولتے بولتے وہ ماضی میں جا پہنچی تھیں۔

* * *

ان کی شادی کو تیسرا روز تھا۔ صبح وہ نماز کے وقت بیدار ہوئی نماز پڑھی اور دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔ جبکہ انصر گہری نیند سو رہا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ تقریباً سب ہی سو رہے تھے سوائے تایا نیاز احمد کے۔ سیما نے باورچی خانے میں جا کر چائے کا پانی رکھا، تایا کے لیے ناشتہ بنایا۔ حالانکہ گھر میں دو دو نوکرانیاں تھیں لیکن سیما نے گھر والوں کو پہلے روز سے ہی اپنی ذمہ داری تصور کیا تھا۔

تایا نیاز نئی نویلی بہو کی اس قدر خدمت گزاری اور مستعدی پہ بہت مسرور تھے۔ انہوں نے سیما کو ڈھیروں دعائیں دیں۔ پھر رانی کو جگا کر اسے ناشتہ دیا۔ سلیمان بھی آیا ہوا تھا۔ وہ سردی میں پراٹھا انڈا لیتا تھا۔ نو بجے

وہ اٹھا تو سیما نے اسے تازہ ناشتہ بنا کر دیا۔ سب ہی اس سے خوش تھے۔

ساڑھے دس بجے کے قریب انصر کی آنکھ کھلی تو اس نے سب سے پہلے دائیں طرف دیکھا۔ سیما نہیں تھی۔ دو دن میں ہی وہ اس کے مہکتے قرب کا عادی ہو چکا تھا۔ اسے نہ پا کر انصر کو جھنجلاہٹ سی ہوئی۔ اور وہ سارا دن گھر کا حلیہ درست کرنے میں لگی رہی۔

سلیمان اور رانی نے رات دیر تک اسے اپنے پاس بٹھائے رکھا اور کارڈز کھیلتے رہے۔ رات بارہ بجے جب وہ کمرے میں پہنچی تو انصر لال سرخ آنکھیں لیے اسی کے انتظار میں تھا۔

"میری پروا ہے تمہیں؟" اسے دیکھتے ہی وہ شروع ہو گیا۔ لاکھ اس نے معذرت کی' ہاتھ جوڑے تب کہیں جا کر وہ ٹھیک ہوا۔

پھر آنے والے دنوں میں بھی اس کے معمولات ویسے ہی رہے تو انصر کی کبیدگی بڑھنے لگی۔

سیما سب کی تعریفیں سن کر سرشار رہتی۔

"میری بہو لاکھوں میں ایک ہے۔"

"بھابھی اتنی اچھی ہیں کہ کیا بتاؤں؟" رانی اپنی سہیلیوں میں بیٹھ کر اتراتی تو تایا نیاز ہر آئے گئے کے سامنے اس کی خوبیاں گنواتے۔

انصر ایک ماہ بعد اسے ساتھ لے گیا۔ اس کی پوسٹنگ کراچی میں تھی۔ وہاں جا کر بھی سیما کا یہی معمول رہا۔

گھر میں انصر کے دوست آتے تو وہ خود کچن میں جا کر انواع و اقسام کی ڈشز بناتی۔ بریگیڈیر رحمٰن کی بیوی بیمار ہے تو سیما جا کر تیمارداری کر رہی ہے۔ کیپٹن عاطف کے ہاں پہلے بچے کی آمد ہے تو سیما جا کر اس کی بیوی کو تسلی دے رہی ہے۔ میجر افتخار کی بیوی ناراض ہو کر چلی گئی ہے تو سیما جا کر ان کا دکھ بانٹ رہی ہے۔ بچوں کا دل بہلا رہی ہے۔ کیپٹن سلیم کو حرا سے عشق ہو گیا ہے تو وہ جا کر حرا کے سخت مزاج باپ سے بات کر رہی ہے۔ انصر کو لگتا کہ اس کی بیوی پہ سب کا حق ہے' سوائے اس کے' چار پانچ ماہ وہ برداشت کرتا رہا۔ پھر ایک روز اسے گھر چھوڑ آیا یہ کہہ کر کہ "تمہیں شوہر کی نہیں لوگوں کی تعریف و ستائش کی ضرورت ہے۔"

سب نے سمجھایا مگر انصر ضد سے باز نہیں آیا۔ اتنا ناراض ہوا کہ گھر والوں سے تعلق ہی توڑ لیا۔ جب سلیمان کے رشتے کی بات چلی تو حوریہ کے گھر والوں سے کہا گیا کہ انصر ایک کورس کے سلسلے میں مڈل ایسٹ میں ہے۔ جبکہ انصر یہیں پنڈی میں جی ایچ کیو میں تھا۔ سلیمان کی شادی میں بھی وہ نہیں آیا۔

اس کا دل پتھر کا ہو چکا تھا۔ سیما کے بعد وہ کسی عورت کے قریب بھی نہیں گیا۔ ادھر سیما نے بھی اپنے اختلافات کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا تھا اور اندر ہی اندر سلگتے ہوئے چار سال گزار دیے تھے۔

سب بڑوں نے ان دونوں کے درمیان ناراضی کی خلیج پاٹنے کی کوشش کی تھی لیکن انصر کی مضبوط انا کا خول نہ ٹوٹا۔ اس کا موقف اپنی جگہ درست تھا۔

تایا نیاز نے اسے انصر سے طلاق لے کر کسی اور اچھی جگہ شادی کی تجویز دی تو وہ تڑپ اٹھی تھی اور سختی سے انکار کر دیا۔

سچ تو یہ تھا کہ سب اس کے وجود کے عادی ہو گئے تھے اگر ذرا دیر کے لیے وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو اس کی پکار لگنے لگتی۔

تمام تفصیل جان کر حوریہ کو انصر بھی قصوروار نہیں لگ رہے تھے۔

"ہم کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لیں گے۔ آپ مت پریشان ہوں۔"

حوریہ نے ضبط سے سرخ پڑتی سیما کو گلے لگا لیا تو وہ بچوں کی طرح بلک اٹھیں۔

"کتنے سنگدل اور بد قسمت ہیں انصر بھائی۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

اس نے اسی روز کرنل انصر نیاز کو فون کیا وہ اس کی آواز سن کر کھل اٹھے۔

میں کل اسلام آباد آ رہی ہوں آپ کے لیے سرپرائز لے کر۔" انہیں حیران چھوڑ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔

* * *

دوسرے روز کے ایف سی میں کرنل انصر کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ کی تنہا زندگی دیکھ کر بہت دکھ ہوا مجھے۔ میں نے آپ کے لیے ایک بڑی پیاری سی لڑکی ڈھونڈی ہے۔ اس کی تصویر بھی لائی ہوں اگر آپ راضی ہوں تو میں بات آگے چلاؤں گی۔" اس نے بیگ سے تصویر نکال کر انصر کے سامنے لہرائی۔

"یہ' یہ لڑکی!" وہ حیرت کی زیادتی سے بمشکل کہہ سکے وہ ان کے تاثرات سے بھرپور لطف اٹھا رہی تھی۔

"ہاں' یہ لڑکی بڑی مظلوم ہے۔ میرے شوہر کیپٹن سلیمان کی نوجوان بھاوج ہے اس کا شوہر شادی کے چند ماہ بعد اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ کہہ کر کہ تمہیں دوسروں کی مجھ سے زیادہ پروا ہے حالانکہ یہ اپنے شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی۔ اسے بے پناہ چاہتی تھی اور ابھی تک اس کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے اور سنگدل شوہر کو تو دیکھیں بھائی کی شادی پر بھی اسی شہر میں ہونے کے باوجود نہیں آیا۔ اس بے چاری کا قصور کیا ہے؟ یہی نا کہ اس نے شادی کے بعد شوہر کے رشتہ داروں سے بھی بنا کر رکھنے کی کوششیں کی۔ ان کی خدمت کی مگر اس کے شوہر کو اچھا نہیں لگا۔ اب اسے بھی غلطی کا احساس ہو گیا ہے ہمارے سسر کہتے ہیں کہ اسے عدالت سے خلع دلوا کر کہیں اور اس کا نکاح کر دیں گے۔ اگر آپ راضی ہوں تو میں گھر میں بات کروں۔" وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔

ادھر انصر کا چہرا دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ انہوں نے خود پہ بمشکل قابو پایا ہوا تھا۔ جبکہ حوریہ کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

"سر! میں اور آپ اچھے دوست ہیں۔ آپ نے اپنی ناکام زندگی کی داستان مجھے سنائی ہوئی ہے۔ میں واقف ہوں کہ آپ کی بیوی کو آپ کی پروا نہیں تھی' ان بے چاری کے ساتھ بھی یہی پرابلم ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ دو ناکام انسان مل کر کامیاب زندگی گزاریں گے اور اب پہلے والی غلطی بھی نہیں دہرائیں گی صرف اور صرف شوہر کا دل جیتیں گی۔" وہ مسلسل بول رہی تھی جبکہ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھے تھے۔

حوریہ وہاں سے اٹھی تو کامیابی کے احساس سے سرشار تھی۔

اس نے سپر مارکیٹ سے سیما بھابھی کے لیے دو خوب صورت سے سوٹ پیس لیے۔ اسٹائلو سے جوتے خریدے اور ایک ہینڈ بیگ لیا۔ واپسی پہ اس کے پاس اچھی خبر تھی۔ کپڑے اس نے اپنے درزی سے سلوا لیے تھے۔

* * *

اب وہ بھی صبح سیما بھابھی کے ساتھ اٹھنے لگی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اسے اپنے ہاتھ کا پراٹھا کھا کر وہ لذت محسوس ہوئی جو فائیو اسٹارز ہوٹل کے کھانے کھا کر بھی حاصل نہ ہوئی تھی۔

سیما بھابھی اسے چیزوں کا ستیاناس کرتے دیکھ کر ہنسے جاتیں۔ اس وقت بھی وہ آٹے سے نبرد آزما تھی۔ سیما بھابھی کو خود اس نے تھوڑی دیر پہلے چائے بنا کر دی تھی۔ وہ بھی اس کے چلبلے مسکراہٹیں بکھیرتے وجود سے خوش تھیں۔

آٹا گوندھ کر رکھنے کے بعد اس نے سیما بھابھی سے پوچھ پوچھ کر بریانی پکانا شروع کی۔ بڑی اماں کی خوشی میں ڈوبی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

"ارے سلیمان آیا ہے' میرا بیٹا۔ ارے سیما! حوریہ! آؤ دیکھو تو سہی۔ سلیمان آیا ہے۔" اس کے آنے پہ وہ ہر بار اسی طرح خوش ہوتی تھیں۔

سلیمان خود ہی کچن تک آ گیا۔

"السلام علیکم!" حوریہ نے اسے دیکھتے ہی بڑی تمیز سے سلام میں پہل کی۔ یوں مگن سی وہ بڑی سگھڑ بی بی لگ رہی تھی۔ سیما بھابھی سلیمان سے خیر خیریت پوچھ

رہی تھیں۔ حوریہ نے اس دوران سلیمان کے لیے چائے کا پانی رکھا۔ اس دوران اماں جی بھی ادھر آ گئی تھیں۔ ہنسی مذاق کا دور چل رہا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے بریانی پکانے کے بعد کباب تل رہی تھی۔ ایک بار کباب پلٹتے ہوئے گرم گرم گھی کا چھینٹا بھی اس کی ہتھیلی پہ آیا جسے وہ ضبط کر گئی۔ باورچی خانے سے فارغ ہونے کے بعد حوریہ نے اس کے کپڑے الماری میں رکھے۔ وہ صرف ایک دن کے لیے آیا تھا۔ اسے نیاز صاحب نے رانی کی شادی کے سلسلے میں بلوایا تھا۔ اس کے سسرال والے جلد شادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔

سلیمان کی چھٹی منظور ہو گئی تھی۔ ادھر وہ گاؤں آیا ادھر شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سیما اور حوریہ دونوں کو رانی کے لئے شاپنگ کرنی تھی۔ اس کے لیے ان کا پروگرام صبح نکلنے کا تھا۔ حوریہ کی رائے تھی کہ کپڑے رانی کی پسند کے لیے جائیں۔ اس لیے ان کے ساتھ وہ بھی جائے۔ نیاز صاحب سے اجازت لی گئی۔ انہوں نے کہہ دیا کہ وہ بے شک رانی کو ساتھ لے جائیں۔

حوریہ نے اپنے لائے گئے کپڑوں میں سے ایک جوڑا سیما بھابھی کو پہننے کے لیے دیا۔ ہلکے ہلکے میک اپ میں حسب معمول وہ بڑی دلکش اور جاذب نظر لگ رہی تھیں۔ عمران کے چہرے پہ چھایا ملال کسی صورت کم نہ ہوتا تھا۔

ابھی شاپنگ شروع بھی نہ کی تھی کہ حوریہ کو بھوک لگنے لگی۔ پہلے کچھ کھانے کا آئیڈیا اسی کا تھا۔ رانی باہر گاڑی میں تھی جب حوریہ سیما بھابھی کو لے کر سامنے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔ کرنل انصر بالکل دروازے کے پاس بیٹھے تھے۔

"یہ رہیں سیما بھابھی' آپ دونوں گلے شکوے دور کر لیں۔ میں ایک گھنٹے بعد آ کر انھیں لے جاؤں گی۔ انہیں آپ لینے آئیں گے تو تب ہی ہم انہیں آپ کے سپرد کریں گے۔ ابھی پھیل مت جایئے گا۔"

اپنی اس شرارت پہ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ سیما بھابھی حیران کھڑی تھیں کچھ ایسی ہی کیفیت انصر کے چہرے پہ بھی تھی۔ وہ ان دونوں کو چھوڑ کر نکل آئی۔ رانی اسے اکیلا آتا دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"بھابھی اور انصر بھائی اندر ہیں۔" اسے مختصر جواب دے کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

تقریباً ڈھائی تین گھنٹے بعد وہ دوبارہ واپس آئی۔ سیما بھابھی کی آنکھیں سوجی ہوئی ہونے کے باوجود ان کے چہرے پہ سکون نظر آ رہا تھا۔

"میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گا۔"

یہ انصر کا فیصلہ تھا۔ رانی بھائی کے گلے لگ کر بہت روئی وہ بھی جذباتی لگ رہے تھے۔

حویلی پہنچ کر اور بھی جذباتی مناظر دیکھنے کو ملے۔ اماں جی تو انصر کو چھو چھو کر اس کے ہونے کا یقین کر رہی تھیں نیاز احمد بے حد خوش تھے۔ سیما بھابھی کے گھر والے آ چکے تھے۔ انصر سب سے معافی مانگ رہے تھے۔ سلیمان کے لیے بھائی کی آمد کسی سرپرائز سے کم نہیں تھی۔

ساری رات کوئی بھی نہیں سویا۔ گلے شکوے ہوتے رہے۔ انصر نے حوریہ کا ہاتھ پکڑ کر درمیان میں بٹھا لیا۔

"سارا کریڈٹ ان محترمہ کو جاتا ہے جنہیں خیر سے ہماری چھوٹی بھابھی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔"

وہ شرارت سے اسے دیکھ رہے تھے سب کی نگاہیں خود پہ مرکوز دیکھ کر وہ جھینپ سی گئی۔

"سلیمان! تم بہت لکی ہو۔ بڑی سمجھدار اور شرارتی سی بیوی ملی ہے۔ اگر اتفاق سے حوریہ مجھے نہ ملی ہوتی تو آج شاید میں یہاں نہ ہوتا اور اپنی جھوٹی انا کے سہارے زندگی گزار کر اپنے سے وابستہ لوگوں کو بھی دکھ دیتا۔ حوریہ نے بڑی چالاکی سے میری برین واشنگ کی' میں تو گھبرا ہی گیا کہ سیما کو ابا جان خلع دلوانے کا سوچ رہے ہیں۔" وہ پیار سے حوریہ کو دیکھ رہے تھے۔

ساری رات باتوں میں گزر گئی تھی فجر کی اذان شروع ہو چکی تھی اب سونے کا وقت نہیں تھا کہ شام

رانی کے سسرال والوں کو شادی کی تاریخ لینے آنا تھا۔ پھر یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی سر انجام پایا۔ رات کو سیما اور حوریہ نے بیٹھ کر رانی کے جہیز کے تمام سوٹ پیک کیے۔ سلیمان کی کچھ کزنز بھی یہیں تھیں۔ حوریہ نے زبردستی سیما بھابھی کو اٹھایا۔

"آپ جائیں گیارہ بج رہے ہیں۔ انصر بھائی کو شکایت کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ انتہا پسندی اچھی نہیں ہوتی۔ یہ نہیں کہ کام کی زیادتی میں آپ انہیں بھول جائیں۔"

وہ بڑے رسان سے بول رہی تھی۔ پیچھے صوفے پہ بیٹھا سلیمان اس کا ایک ایک لفظ سن چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹھیک ایک ہفتے بعد شادی تھی۔ شادیوں میں ہونے والی افرا تفری یہاں بھی نظر آ رہی تھی۔ مایوں والے دن حوریہ کی پکار ہر طرف سے پڑ رہی تھی۔ حوریہ فلاں چیز کہاں ہے؟ فلاں چیز کہاں ہے؟ وہ دوڑ دوڑ کر سارے کام کر رہی تھی۔ اس وقت بھی مہندی کی طشتریاں سجا رہی تھی۔ رانی کے سسرال والے مہندی کی رسم کرنے آ رہے تھے۔ وہ تیار ہو کر انتظامات کا جائزہ لے رہی تھی جب سلیمان نے اسے بلوایا۔

"جی کیا بات ہے؟" مقیش لگا پیلا اور سبز دوپٹہ اس نے کندھوں پہ سیٹ کیا ہوا تھا۔ اتنی تیزی سے اس نے "جی کیا بات ہے" کہا کہ سلیمان کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ نروس ہو کر باہر آ گئی پیچھے وہ حوریہ حوریہ کرتا رہا پھر وہ سنی ان سنی کر گئی۔

رات کو تقریب ختم ہونے کے بعد تھک ہار کر ساری لڑکیاں بڑے کمرے میں ہی سو گئیں جن میں وہ بھی شامل تھی۔ پھر جب یہ لوگ مہندی لے کر رانی کے سسرال پہنچے تو حوریہ کی شرارتیں دیکھنے والی تھیں۔ وہ پہلے والی حوریہ لگ رہی تھی جو کل کی شادی میں شریک ہوئی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ہاتھوں میں گیلی مہندی دبی ہوئی تھی۔ سامنے رانی کا ہونے والا دیور کھڑا تھا۔ وہ اس پہ پھینکنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اس کے سامنے سلیمان آ گیا۔ تب اس نے ساری مہندی نیچے پھینک دی۔ سلیمان نے نوٹ کیا کہ وہ افسردہ سی ہے۔

تقریب سے واپس آ کر سب نے چائے کی فرمائش کی۔

وہ باورچی خانے میں آ گئی اور بڑی سی کیتلی میں چائے کا پانی رکھا۔ سلیمان بھی پانی پینے کے ارادے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
نامور مصنفہ رضیہ جمیل کا ناول
آج گگن پر چاند نہیں
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت گیٹ اپ
بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
قیمت : 180 روپے
اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں
اک گھروندہ برف کا : 300/ روپے
ساگر دریا بادل بوند : 300/ روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار کراچی

سے اس کے پیچھے آیا۔

"پانی دو۔" وہ رعب سے حکم دے کر وہیں کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اسے گلاس تھماتے ہوئے حوریہ کا ہاتھ لرز گیا۔ اس کی آنکھیں سوجی سوجی لگ رہی تھی۔

"دوسروں کو شوہروں کے بارے میں بڑی ہدایات دیتی ہو۔ خود کیوں بھول جاتی ہو؟" وہ اسے گھور رہا تھا۔ خالص شوہرانہ تیوروں سمیت۔ وہ چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "فارغ ہونے کے بعد بیڈ روم میں آنا۔"

وہ جواباً خاموش رہی تو سلیمان اس کی خاموشی سے جھنجلا گیا۔ حوریہ نے چائے بنا کر سب کو پیش کی۔ اس دوران سلیمان کی نگاہیں مسلسل کچھ کہتی محسوس ہو رہی تھیں۔

پھر جب کپ رکھنے وہ باورچی خانے میں گئی تو سلیمان نے دوبارہ اسے کمرے میں چلنے کا حکم صادر کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس کے حکم پہ عمل کرنا پڑا۔

دروازہ بند کر کے وہ اس کی طرف پلٹا' جو بے حد نروس سی لگ رہی تھی۔

"آخر پکڑی ہی گئیں۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ جکڑتے ہوئے بولا تو اس نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے احساس ہو گیا ہے کہ تمہاری پسند کی اچھی نہیں ہوتی۔ انصر بھائی کو صرف اور صرف ایسی بیوی چاہیے تھی جو ان کا خیال رکھے اور تم نے تو ٹھیک ٹھاک کام کیا ہے بلکہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ تمہیں تو میڈل ملنا چاہیے۔"

وہ مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یار! وہ لڑکی بریگیڈیر رفیق کی شادی شدہ بیٹی ہے۔ اس کا شوہر میرا دوست ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں چھپا سوال پڑھ چکا تھا۔

نہ جانے اسے کیا ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ چھڑا کر دور ہٹ گئی۔

"بس حوریہ! بہت ہو چکی۔ میں گلے شکووں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ آئندہ ہم غلطیاں نہیں کریں گے۔ کیا ضروری ہے انصر بھائی اور سیما بھابھی والا قصہ پھر دہرایا جائے۔ مجھے احساس ہے کہ میں نے غلطی کی ہے۔ پر تم نے بھی تو احتجاج نہیں کیا۔"

"کیسے کرتی؟"

"ویسے ہی جیسے فوجیوں کے بارے میں بات کرتی تھیں۔" وہ مزے سے بولا۔

"میں تو کبھی کسی آرمی آفیسر سے شادی نہ کروں۔ خشک اور بور ہوتے ہیں۔ رومانٹک نہیں ہوتے یہ ہے وہ ہے۔" وہ باریک سی آواز بنا کر اس کی نقل اتار رہا تھا۔

"میں نے جب تمہیں دیکھا تھا تو تب ہی فیصلہ کر لیا تھا تمہیں اپنی بیگم بنا کر چھوڑوں گا۔ پر کیا کیا جائے بہت سے خوب صورت دن ہم ضائع کر چکے ہیں۔"

"ہاں اب کیا ہو سکتا ہے۔" وہ اسے چڑا رہی تھی۔

"ہاں ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ غلط فہمی دور کی جا سکتی ہے کہ فوجی لوگ خشک ہوتے ہیں۔ رومانس کے جراثیم نہیں پائے جاتے ان میں۔" وہ اسے شرارتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کل رانی کی رخصتی ہے پرسوں میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا ہمیشہ کے لیے۔ بڑے دن عیش کر لیے ہیں تم نے۔ پھر تمہیں یہ بھی تو بتانا ہے کہ میں کتنا رومانٹک ہوں۔" وہ اسے خود سے قریب کر چکا تھا۔

اس نے بھی زیادہ اکڑ دکھانا مناسب نہ سمجھا۔ ان دونوں کا رشتہ اعتماد کا متقاضی تھا۔ اعتبار مانگتا تھا سو اسے سلیمان پہ اعتبار تو کرنا ہی تھا۔

صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ سلیمان کے کپڑے نکالتے ہوئے وہ ہمیشہ سے زیادہ مطمئن اور مسرور تھی۔ سلیمان نے اسے اپنی محبت کا اعتبار جو بخش دیا تھا اور کسی بھی عورت کے لیے شوہر کا اعتبار زندگی کی اساس ہوتا ہے۔